Langat Singh College, Muzaffarpur

NAAC Grade—'A'
(A Constituent unit of B.R.A. Bihar University, Muzaffarpur)

H.O.D.
PG Deptt of Urdu

Email:
lscollegeprincipal@gmail.com

Ref. No.:..........

Date : 11.05.2020

M.A (Second Semester) Urdu

Paper – VII

Topic – Masnavee

Dr Zarina Rahman
Associate Professor
Deptt of Urdu. L.S. College, Muzaffarpur

Contact No – 9334940186

Contact day and time —

Mon. Wed – 1 PM to 02 P.M

Zarina Rahman
11.05.2020

مثنوی گلزار نسیم

پنڈت دیاشنکر نسیم لکھنؤ کے نواب سعادت علی خاں کے عہد میں سنہ ۱۸۱۱ء مطابق ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ایام شباب میں انہوں نے غازی الدین حیدر کا عہد اقتدار دیکھا مثنوی گلزار نسیم کی تصنیف انہوں نے نصیرالدولہ محمد علی شاہ کے عہد میں مکمل کی۔ اس مثنوی کی تصنیف کا کوئی اور سبب نہ تھا سوا اسکے کہ اہل دلی کے مقابلے میں زبان و بیان کا کمال دکھلایا جائے۔ ایک اور مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ متعلقہ عہد کے ارباب مثنوی کو ذہنی تفریح کا وسیلہ فراہم کیا جائے۔ اس کا قصہ عزت اللہ بنگالی کے فارسی قصے سے ماخوذ ہے جسے اس نے ۱۷۲۲ء میں لکھا تھا۔ پنڈت دیاشنکر نسیم خود کشمیری برہمن تھے لیکن مسلم تہذیب سے وہ اسقدر وابستہ ہوگئے تھے کہ اسلامی کلچر کا پورا اثر ان پر موجود تھا۔ چونکہ نسیم نے عیش و نشاط کی فضا میں پرورش پائی تھی اسلئے اس مثنوی میں لکھنوی تہذیب کے واضح نقوش موجود ہیں۔

تاج الملوک اور بکاؤلی کی یہ عشقیہ منظوم داستان، قصے کی کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ طبع زاد قصہ لکھنے کی جگہ ایک مقبول عام داستان کو منظوم کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس قصہ کے بہانے معاشرے کی عکاسی کی جائے۔ قصے کے مختلف مراحل میں لطف و سرور پیدا کرنے کا میلان اسی لئے نمایاں ہے۔ پھولوں، باغوں اور حسینوں کے تذکرے اسی لئے بہ کثرت ملتے ہیں۔ بکاؤلی کے عالم خواب کا ایک منظر ملاحظہ ہو ـــــ

پردہ جو حجاب سا اٹھایا — آرام میں اسی پری کو پایا
نیند اسکی وہ چشم نرگس تھی — چھاتی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی
سمٹی جو قدم اس قمر کی — برجوں پر سے چاندنی تھی سرکی
لپٹے تھے جو بال کروٹوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں

یہ اشعار اسکی نشاندہی کرتے ہیں کہ شاعر نے ذہنی تعیش فراہم کرنے کے مقصد کو ہی پیش نظر رکھا ہے۔ عیش و نشاط کے ماحول کو لطف لے لے کر بیان کرنے کا مفہوم ہی یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو ذہنی سکون و سرور فراہم کیا جائے۔ تاج الملوک اور بکاؤلی کے وصل کے واقعے کی کیفیت ملاحظہ ہو ـــــ

یہ کہہ کے لبوں سے قند گھولے — مستی نے دلوں کے عقدے کھولے
کاوش یہ ہوا گہر سے الماس — غنچے نے بجھائی اوس سے پیاس
واں غنچۂ یاسمیں تھا گلنار — یاں دامن سرار عنول زار
واں صبح تھی گل بداماں — پھولی رخ مہر پہ شفق یاں
کیا آگے لکھوں کہ اب سر دست — ہوتا ہے دوات میں قلم مست

یہی طرز سخن ہے کہ جس کی وجہ سے اس طرح کے مناظر و مراحل کے بیان میں طرفہ کیفیت سامنے آگئی ہے۔ مثنوی کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نسوانی کرداروں کی پیش کش پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ نسوانی جذبات کے

اظہار و بیان میں دیا شنکر نسیم کو واقعی قدرت بیان حاصل ہے۔ لیکن ان نسوانی جذبات کے اظہار میں وہ پوری طرح کامیابی حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ حالانکہ جذبات نگاری کے ایسے مراحل جا بہ جا موجود ہیں۔ مثلاً ذیل کے اشعار میں جہاں بکاؤلی پھول چرانے پر تاج الملوک پر غصہ کا اظہار کرنا چاہتی ہے لیکن محبت جذبات پر غالب آجاتا ہے اور صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ عتاب نہیں لگاوٹ کا ایک انداز ہے

بولی وہ پری بعد تامل — کیوں جی نہیں لے گئے تھے وہ گل
کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو — میری طرف ایک نظر تو دیکھو
بے جا نہیں یہ خطا تمہاری — فرمائیے کیا سزا تمہاری

ان اشعار سے اس کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ نسیم نے حفظ مراتب کو بھی ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ لگاوٹ کے ناز و انداز کے مرحلوں کی وضاحت کے دوران کہیں کہیں لب و لہجہ بالکل سطحی اور پست ہو کر رہ گیا ہے۔ مثنوی میں اختصار پسند میلان تو ہے مگر یہ اختصار کہیں کہیں بہت گراں گزرتا ہے۔ خوش مزاقی کی جگہ بازاری رنگ نمایاں ہو گیا ہے۔ مثنوی میں فوق الفطری عناصر تو ہیں ہی گوشت و پوست کے جو کردار لائے گئے ہیں، وہ بھی عمل و حرکت کی قوت سے محروم ہیں۔ ہاں لکھنوی رسوم و روایات کی آئینہ داری جا بجا موجود ہے اور ایسے موقعوں پر ہندو معتقدات کے نقوش بھی گہرے ہو گئے ہیں۔ مثلاً "شراپ" دینے کی روایت ہندو دیومالا میں موجود ہے اور یہ گویا مذہب کا لازمی جزو ہے۔ راجہ اندر بکاؤلی کو اس کی بے جا فرمائش پر یوں مخاطب کرتا ہے

کھویا مجھے تیری آرزو نے — جا تیری سزا یہ ہے کہ تو نے
کی ہے حرکت خلاف آئین — پتھر کا ہو نصف جسم پائین
اس سختی سے کچھ دن رہے تو — بعد اسکے خاک میں ملے تو
قالب تیرا انقلاب کھائے — جامے میں تو آدمی کے آئے
بارہ برس اس طرح گزر کر — پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر

مختصر یہ کہ اگرچہ یہ مثنوی میر حسن کی "سحر البیان" کے جواب میں لکھی گئی تھی مگر اس کے اندر وہ شاعرانہ محاسن نمایاں نہ ہو سکے جنہوں نے میر حسن کی مثنوی کو قبول عام کی سند بخشی —